فنی، سائنسی اور انسانی علوم کی حقیقت فقہ و شریعت کے تناظر میں

ڈاکٹر محمد یوسف فاروقی☆

ABSTRACT

A common and general religious views of subcontinent regards the education of natural or applied sciences or teaching of technical or social sciences as irreligious or even something prohibited by the shariah.

This concept has deeply affected negatively our academic and educational growth in these fields. The paper attempts to examine this issue from various angles. First, it establishes that the knowledge ('ilm) is an attribute of Allah. His knowledge is complete and perfect that can be observed in the heavens, earth and in all spheres of life. The believers have been encouraged to develop in and grow up with those Godly attributes which are not exclusively specified for Him.

Second, the paper explores some of those Quranic verses which draw our attention to reflect in and investigate signs of Allah, spread all over the universe. These verses persuade the believers to explore the treasures hidden in the earth and oceans. There are verses inciting the readers to travel in the land, look at marvelous creation and search for bounties of Allah being created for man in this world. The study of these verses expose the fallacy of the concept that the struggle for achieving scientific or technical knowledge is a useless activity or contrary to the teachings of

☆ سابق ڈائریکٹر جنرل، شریعہ اکیڈمی، بین الاقوامی اسلامی یونیورسٹی، اسلام آباد

Islam.

Finally the paper examines the role of some Messengers, who played effective role to the advancement of several scientific and technical disciplines. Moreover, the issue has been discussed from Fiqh point view, with reference to maqasid

علم اللہ تعالیٰ کی ایک اہم صفت ہے اور ذات باری تعالیٰ کی طرح علم بھی ایک وحدت ہے۔ قرآن حکیم نے اللہ تعالیٰ کی اس صفت کو خوب وضاحت کے ساتھ بار بار ذکر کیا ہے۔ اللہ تعالیٰ ساری کائنات کا خالق ہے۔ یہ زمین و آسمان، افلاک، شمس و قمر، سیارے، دریا، سمندر، پہاڑ، جنگلات اور ان میں مدفون خزانے سب کچھ اللہ تعالیٰ کی تخلیق ہیں، لہٰذا خالق اپنی مخلوق کے خصائص، طبیعتوں اور اثر و تاثیر سے بھی واقف ہے۔ ﴿وَ خَلَقَ كُلَّ شَيْءٍ وَ هُوَ بِكُلِّ شَيْءٍ عَلِيْم﴾[سورۃ الانعام: ۱۰۱] ہر چیز کو اسی نے پیدا کیا۔وہی ہر چیز کو خوب جانتا ہے۔ ﴿ذٰلِكَ لِتَعْلَمُوْٓا اَنَّ اللّٰهَ يَعْلَمُ مَا فِي السَّمٰوٰتِ وَ مَا فِي الْاَرْضِ وَ اَنَّ اللّٰهَ بِكُلِّ شَيْءٍ عَلِيْم﴾[المائدہ:۹۷] (تاکہ تم جان لو کہ بیشک اللہ جانتا ہے جو کچھ آسمانوں میں ہے اور جو کچھ زمین میں ہے، اور یقیناً اللہ تعالیٰ ہر چیز کو خوب جانتا ہے)۔

اللہ تعالیٰ کے کچھ اور صفاتی نام بھی ہیں جن سے علم الٰہی کی وسعت، جامعیت اور ہمہ گیری کا پتہ چلتا ہے، مثلاً وہ ﴿عَلَّامُ الْغُيُوْبِ﴾[المائدہ: ۱۰۹-۱۱٦] غیب کی باتوں کو خوب جاننے والا ہے، اس کی صفت علیم بذات الصدور[المائدہ:۷] یعنی دلوں کے بھید جاننے والا بھی ہے، وہ ﴿عٰلِمُ الْغَيْبِ وَالشَّهَادَةِ﴾[الحشر: ۲۲ ؛ التغابن ۱۸] یعنی حاضر و موجود اور غیب کا علم رکھنے والا بھی ہے، اللہ تعالیٰ کی ذات الخبير [البقرہ:۲، ۲۳۴-۲۷۱] کائنات کی ہر ہر حرکت اور ہر ہر عمل سے باخبر ہے وہ البصیر [البقرہ: ۹٦، ۱۱، ۲۳۳] یعنی ہر وقت ہر چیز پر نظر رکھنے والا بھی ہے۔ اس کی ایک صفت الشهيد ہے۔[آل عمران: ۹۸] یعنی ہر چیز کا گواہ، ہر موقعہ اور ہر جگہ موجود و حاضر ہے، اللہ تعالیٰ ہی ﴿بَدِيْعُ السَّمٰوٰتِ وَ الْاَرْضِ﴾[البقرہ:۱۱۷ ؛ الانعام: ۱۰۱] یعنی اس ساری کائنات کو عدم سے وجود میں لانے والا ہے لہٰذا اس کا علم ہر چیز کو ہر وقت محیط ہے۔﴿وَاَنَّ اللّٰهَ قَدْ اَحَاطَ بِكُلِّ شَيْءٍ عِلْمًا﴾[الطلاق: ۱۲] اور ﴿اَلَآ اِنَّهٗ بِكُلِّ شَيْءٍ مُّحِيْطٌ﴾[حم سجدہ: ۵۴] اس کے علم کی وسعت کا اندازہ ناقص اور کم علم لوگ نہیں کر سکتے ﴿ وَلَا يُحِيْطُوْنَ بِشَيْءٍ مِّنْ عِلْمِهٖٓ اِلَّا بِمَا شَآءَ﴾[البقرہ: ۲۵۵] لوگ اللہ تعالیٰ کے علم کی وسعت اور اس کی گہرائی کو نہیں پہنچ سکتے۔﴿وَ اللّٰهُ وَاسِعٌ عَلِيْمٌ﴾ [البقرہ: ۲۴۷، ۲٦۱] وہ بڑا

وسیع علم والا ہے۔

بدع اور خلق کی بنیاد بھی علم ہے، وہ اپنے علم اور اپنے اندازے کے مطابق اشیاء کو پیدا کرتا ہے، لہٰذا یہ بات مسلم ہے کہ اللہ تعالیٰ کی ذات ہی علم کا حقیقی مصدر و ماخذ ہے، اسی لیے انسان کو ابتداء آفرینش سے ہر قسم کا علم اللہ تعالیٰ کی جانب سے ملتا رہا۔﴿وَ يُعَلِّمُكُمُ اللّٰهُ وَاللّٰهُ بِكُلِّ شَيْءٍ عَلِيْمٌ﴾[البقرہ: ۲۸۲] اور اللہ تعالیٰ ہی تم کو سکھاتا ہے اور وہی ہر چیز کو جانتا ہے۔ ﴿وَ اللّٰهُ اَخْرَجَكُمْ مِّنْۢ بُطُوْنِ اُمَّهٰتِكُمْ لَا تَعْلَمُوْنَ شَيْئًا وَّ جَعَلَ لَكُمُ السَّمْعَ وَ الْاَبْصَارَ وَ الْاَفْئِدَةَ لَعَلَّكُمْ تَشْكُرُوْنَ﴾ [النحل: ۷۸] اور اللہ تعالیٰ نے تمہیں ماؤں کے پیٹ سے پیدا کیا، اس حال میں کہ تم کچھ نہیں جانتے تھے، اس نے تمہیں سننے کے لیے کان، دیکھنے کے لیے آنکھیں اور (سوچنے سمجھنے کے لیے) دل اور دماغ دیا تاکہ تم اللہ تعالیٰ کے شکر گزار بنو۔

اللہ تعالیٰ کی جانب سے عطا کردہ حواس بالخصوص سمع و بصر حصول علم کے ذرائع ہیں، احساسات اور مشاہدات کے ذریعہ ہم جو کچھ علم حاصل کرتے ہیں انہیں عقل کی کسوٹی پر بھی پرکھتے ہیں، غور وفکر کے ذریعہ کچھ نتائج بھی حاصل کرتے ہیں۔ یہ سب کچھ اللہ تعالیٰ کی نعمت ہے لہٰذا انسان کو ان نعمتوں کے لیے اپنے رب کا شکر گزار ہونا چاہیے۔

مندرجہ بالا آیات سے یہ حقیقت واضح ہو جاتی ہے کہ علم کا اصل مرکز اور حقیقی ماخذ اللہ وحدہ لا شریک کی ذات ہے۔ لہٰذا علم میں بھی وحدت ہے۔ پھر اس وحدت سے سینکڑوں ہزاروں شاخیں پھوٹتی ہیں لیکن علم کی کوئی بھی شاخ ہو اس کا اصل منبع علیم وخبیر اور وہ ذات ہے جو عالم الغیب و الشہادۃ ہے۔[۱] لہٰذا ہر وہ علم جس کا تعلق اللہ تعالیٰ کی ذات یا علم الٰہی سے ہو وہ انسانیت کے فائدے کے لیے ہوگا۔ علم کا جو بھی شعبہ ہو اگر اس علم کی حقیقت کو پا کر انسان اس سے استفادہ کرے گا تو یقیناً کامیابی اور ترقی کی منازل طے کرے گا۔ ہم اس طرح بھی کہہ سکتے ہیں کہ علم کا جو بھی شعبہ ہو جب انسان اس کی حقیقت تک پہنچ جائے گا تو وہی علم اللہ تعالیٰ تک پہنچنے کا ذریعہ بھی بن جائے گا۔ لہٰذا علم کی کسی بھی شاخ یا شعبہ کو حقیر یا کمتر سمجھ کر رد نہیں کر دینا چاہیے۔

انسان کو اللہ تعالیٰ نے اشرف المخلوقات بنایا ہے، وہ روح، عقل اور جسم کا مرکب ہے، اللہ تعالیٰ نے روح کی پاکیزگی، جلاء اور تقویت کے لیے علم اور تربیت کا وہ نظام عطا فرمایا جو روح کی بالیدگی اور اس کے

۱- اللہ تعالیٰ کے دیگر صفاتی ناموں میں غور کیجیے تو ان کے پس پردہ بھی صفت علم کارفرما نظر آئے گی، مثلاً المبدء، الحسیب، النافع، الخالق، المصور، المدبر، الحکیم، المحصی، المتکلم وغیرہ۔

تزکیہ کے لیے موزوں اور ضروری ہے۔ اسی طرح عقل وفکر کے ارتقاء کے لیے بھی نہ صرف حواس عطا فرمائے بلکہ اس کی رہنمائی کے لیے بھی انسان کو علم کی دولت سے نوازا۔ انسان کے مادی وجود اور مادی ضروریات سے بھی انکار نہیں کیا جاسکتا۔ جسم، جو روح کا قالب ہے، اس کی بھی ضروریات ہیں، جسمانی صحت، صالح غذا، تربیت وغیرہ ان ضروریات کو پورا کرنے کے لیے مناسب علم کی ضرورت ہوتی ہے، لہٰذا اللہ تعالیٰ نے ان تمام ضرورتوں کو پورا کرنے کے لیے مختلف قسم کے علوم سے انسان کو نوازا ہے۔

اس مقالہ میں ہمارے پیش نظر صرف ان علوم کا جائزہ لینا ہے جو فنی، سائنسی اور انسانی علوم کے دائرہ میں آتے ہیں اور ان کی شرعی حیثیت و ضرورت کا تعین کرنا ہے۔ لہٰذا اس مقالہ میں ہم ایمان، عباداتِ خالصہ، تزکیہ نفس، تسبیح و اذکار وغیرہ پر گفتگو نہیں کریں گے۔

وہ تمام علوم جن کا تعلق ایمانیات، عباداتِ خالصہ، مکارم اخلاق، اصلاح ظاہر و باطن اور احکام الٰہی سے ہے انہیں تو اللہ تعالیٰ نے خاص اہتمام کے ساتھ انبیاء علیہم السلام کے ذریعہ انسانوں کو منتقل فرمائے، یہ تو وہ بنیادی علوم ہیں جن پر انسانی معاشروں کی حقیقی عمارت تعمیر ہوتی ہے، جن کی تعلیم و تربیت اور عملی زندگی کی وجہ سے تہذیب و تمدن وجود میں آتا ہے۔ ان علوم کو مسلم امہ نے بالکل آغاز سے پوری طرح محفوظ کر لیا ہے یہ علوم کتاب اللہ، سنت طیبہ اور سیرت مطہرہ کی صورت میں ہمارے پاس محفوظ ہیں لیکن وہ علوم جن کا تعلق سائنس، فنون اور انسانی علوم سے ہے وہ بھی اللہ تعالیٰ نے انبیاء علیہم السلام کے ذریعہ انسانوں کو منتقل فرمائے اور انسانوں کو عقل وفکر اور حواس عطا فرمائے تاکہ لوگ ان علوم میں بھی ترقی کرسکیں اور ہر وہ علم جو انسانیت کے لیے مفید و نافع ہو اس سے فائدہ اٹھا سکیں۔ اس سلسلہ میں سب سے اہم وہ آیت مبارکہ ہے جس میں اللہ تعالیٰ نے حضرت آدم علیہ السلام کو علم الاشیاء عطا کیے جانے کے بارے میں بتایا ہے:

﴿وَ عَلَّمَ اٰدَمَ الْاَسْمَآءَ كُلَّهَا﴾...... [البقرہ: ۳۱]

اور آدم علیہ السلام کو علم الاسماء مکمل عطا کیا۔

اس آیت مبارکہ کا اس کے پورے سیاق میں مطالعہ کیجئے تو واضح طور پر پتہ چل جائے گا کہ اللہ تعالیٰ نے حضرت آدم علیہ السلام کو علم الاشیاء کا علم عطا کرنے کا فیصلہ اس وقت کیا جب اللہ تعالیٰ نے انہیں دنیا میں منصب خلافت پر فائز کرنے کا فیصلہ فرمایا، لہٰذا اللہ تعالیٰ نے انہیں وہ تمام علوم عطا کرنے کا فیصلہ فرمایا جن کی ضرورت نظم خلافت کیلئے پڑسکتی تھی۔

یہاں سب سے پہلے اس بات کو سمجھنے کی ضرورت ہے کہ علم الاسماء سے کیا مراد ہے۔ ہمارے تقریباً

تمام متقدمین و متأخرین مفسرین نے علم الاسماء پر بحث کی ہے، خاص طور پر وہ مفسرین جنہوں نے خلافت ارضی کے سیاق و سباق میں اس آیت کو سمجھنے کی کوشش کی ہے، وہ مفسرین جو فقہی اور قانونی فہم بھی رکھتے ہیں انہوں نے الفاظ کے عموم، جملہ کی ساخت اور ترکیب پر غور وفکر کر کے اپنی رائے قائم کی ہے، وہ اس بات کے قائل ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے حضرت آدم علیہ السلام کو وہ علوم عطا کیے تھے جن کا علم ملائکہ کے پاس نہیں تھا، اس لیے کہ ملائکہ کو ان علوم کی ضرورت نہیں تھی کیونکہ اللہ تعالیٰ نے خلافت ارض کی ذمہ داری ان کے سپرد نہیں کی تھی، نہ ہی وہ انسانی معاشرہ کو منظّم کرنے، ان کے اجتماعی امور کی نگرانی کرنے اور اللہ تعالیٰ کے دین کو دنیا میں قائم کرنے کے ذمہ دار قرار دیے گئے تھے ہاں جہاں تک اللہ تعالیٰ کی ذات پر ایمان، توحید کا اقرار، اللہ تعالیٰ کی عبادت، تسبیح و تقدیس، ذکر و اذکار اور اللہ تعالیٰ کی عظمت و کبریائی بیان کرنے کا تعلق ہے، یا عرش الٰہی کا طواف کرنے اور حکم الٰہی کی تعمیل کا تعلق ہے۔ اس کا علم ملائکہ کے پاس تھااور اس کے مطابق ان کا عمل بھی تھا۔

اللہ تعالیٰ نے نظم خلافت کی ذمہ داریوں سے عہدہ برآ ہونے کے لیے جہاں وحی الٰہی کے ذریعہ رہنمائی عطا فرمائی وہاں انسانی اجتماع کی معاشی، معاشرتی، سیاسی اور انتظامی امور کی نگرانی کے لیے بھی علوم عطا فرمائے، انسانی معاشرہ کے ارتقائی مراحل طے کرنے کے لیے فنی اور تکنیکی علوم سے بھی نوازا، لہٰذا اللہ تعالیٰ نے حضرت آدم علیہ السلام کو تمام اشیاء، تمام ،مظاہر فطرت کا علم بھی عطا کیا، اشیاء کی حقیقت، اغراض، خواص و آثارحتیٰ کہ طریق استعمال بھی بتا دیا گیا۔ وقیل صنعة کل شئ یہ بھی کہا جاتا ہے دنیا میں ضروری صنعتوں کا علم بھی عطا کر دیا گیا۔ (۲)

جصاص بڑے فقیہ ہیں، ان کے ہاں نصوص سے استدلال کی بڑی صلاحیت پائی جاتی ہے۔ وہ اس آیت مبارکہ کے عموم کوملحوظ رکھتے ہوئے لکھتے ہیں:

یدل علی انه علّم الاسماء کلها لآدم، اعنی الاجناس بمعا نیها لعموم اللفظ فی ذکر الاسماء.

آیت مبارکہ کا اسلوب اس حقیقت پر دلالت کر رہا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے حضرت آدم علیہ السلام کو تمام اشیاء کے نام سکھا دے، میری مراد یہ ہے کہ اس لفظ کے عموم کی بنا پر عالم موجودات کی تمام جنسیں اپنے تمام

۲- ابومحمد الحسین بن مسعودی البغوی (م ۵۱۶ھ) **معالم التنزیل**، دارالمعرفہ، بیروت، ۱۴۰۶ھ/ ۱۹۸۶ء)، ج ۱، ص ۶۱

معانی ومفہومات سمیت یہاں مراد ہیں۔ (۳)

علامہ آلوسیؒ نے اپنے انداز میں اس طرح روشنی ڈالی ہے:

المراد بالاسماء صفات الاشياء، ونعوتها، و خواصها، لانها علامات دالة على ماهيتها فجاز ان يعبر عنها بالاسماء.

اسماء سے مراد اشیاء کی صفات، تعریفات اور خواص ہیں، اس لیے کہ یہ ایسی علامات ہیں جو ان کی ماہیت پر دلالت کرتی ہیں۔ لہٰذا انہیں اسماء سے تعبیر کرنا درست ہے۔

پھر اس بات کی مزید وضاحت کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

والحق عندی ما عليه اهل اللّٰه تعالىٰ، وهو الذی يقتضيه منصب الخلافة الذی علمت وهو انها اسماء الاشياء علويه او سفلية، جوهرية او عرضية.

میری رائے میں حق بات تو وہی ہے جس پر اہل اللہ متفق ہیں، وہ وہی چیز ہے جس کو منصب خلافت مقتضی ہے اور وہ تمام اشیاء کے نام ہیں خواہ ان کا تعلق اعلیٰ چیزوں سے ہو یا ادنی چیزوں سے، وہ جوہر (مادہ) سے متعلق ہوں یا عرض (غیر مادہ) سے۔ (۴)

امام رازیؒ کی رائے میں علم الاسماء سے مراد اشیاء کی صفات، تعارف اور ان کے خواص ہیں اس مفہوم کو وہ باقاعدہ لغوی مفہوم سے استدلال کرتے ہیں۔ (۵)

بیضاویؒ نے اس مفہوم کو زیادہ وضاحت سے لکھا ہے:

ألهمه معرفة ذوات الاشياء و خواصها، و اسمائها، و اصول العلم و قوانين الصناعات و كيفية آلاتها.

اللہ تعالیٰ نے حضرت آدم علیہ السلام کو تمام اشیاء کی ذات، ان کے خواص، نام، علم کے اصول قوانین اور مختلف صنعتوں میں استعمال ہونے

۳- احمد بن علی الرازی الجصاص (م ۳۷۰ھ)، احکام القرآن، دارالکتاب العربی، بیروت، ۱۴۰۶ھ/۱۹۸۶ء، ج ۱، ص ۳۱

۴- شہاب الدین السید محمود آلوسی (م ۱۲۷۰ھ) روح المعانی، مکتبہ امدادیہ، ملتان، ت ن، ج ۱، ص ۲۲۴

۵- فخر الدین محمد بن عمر الرازی (م ۶۰۶ھ)، التفسیر الکبیر، ج ۱، دیکھئے تفسیر البقرہ ۲، آیت نمبر ۳۱

والے آلات کی کیفیت وغیرہ سب کچھ الہام کر دیا تھا۔(۶)

ہمارے معاصر مفسرین میں مولانا محمد ادریس کاندھلویؒ مذکورہ آراء سے اتفاق کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

> حضرت آدم علیہ السلام کو اللہ تعالیٰ نے علم تام اور عام عطا فرمایا، مفردات اور مرکبات کے اسماء، خواص اور آثار بتلائے، صنعتوں اور حرفتوں کا علم عطا فرمایا، حفظان صحت اور معالجہ امراض کے اصول وقواعد بتلائے۔(۷)

یہ سب کچھ حضرت آدم علیہ السلام کو اس لیے دیا گیا تاکہ وہ اور ان کی اولاد منصب خلافت کی ذمہ داریوں کو پورا کر سکیں۔ مولانا کاندھلویؒ کے خیال میں منصب خلافت کے لیے علم تام اور علم عام ضروری ہے۔

مفتی محمد شفیعؒ اس رائے کا اظہار کرتے ہیں کہ دنیا کی ہر نافع و مضر چیزوں اور ان کے خواص و آثار ہر جاندار اقوام کے مزاج و طبائع اور ان کے آثار سب حضرت آدم علیہ السلام کو بتا دیے گئے تھے، ان چیزوں کو سمجھنے اور جاننے کی صلاحیت حضرت آدم علیہ السلام میں موجود تھی جبکہ ملائکہ کی جبلت اور فطرت ان علوم کی متحمل نہیں تھی، مثلاً یہ کہ بھوک و پیاس کی تکلیف کیسی ہوتی ہے، نفسانی جذبات کا کیا اثر ہوتا ہے، زہریلے جانوروں کے کاٹنے کا بدن پر کیا اثر ہوتا ہے۔(۸)

مولانا عبدالماجد دریا بادیؒ نے خلافت اور علم الاسماء پر مدلل گفتگو کی ہے۔ وہ حضرت آدم کی خلافت پر بحث کرتے ہوئے بیضاویؒ کے حوالے سے لکھتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے چار مقاصد کی تکمیل کے لیے انبیاء کو اپنا خلیفہ بنایا ہے پہلا مقصد عمارۃ الارض ہے، دوسرا سیاسۃ الناس، تیسرے تکمیل نفوس اور چوتھے احکام الٰہی کی تنفیذ یعنی اس سرزمین کی تعمیر، لوگوں کے معاملات کی دیکھ بھال، ان کے نفوس کی تہذیب و تکمیل اور احکام الٰہی کی تنفیذ، ان تمام امور کو انجام دینے کے لیے جن علوم کی ضرورت ہوسکتی ہے وہ حضرت آدم علیہ السلام کو عطا فرمائے۔(۹)

۶- عمر بن عبداللہ البیضاویؒ (م ۶۹۱ھ) انوار التنزیل و اسرار التاویل، دارالکتب العربیہ، بیروت، دیکھئے سورۃ البقرۃ کی آیت نمبر:۳۱

۷- محمد ادریس کاندہلوی، **معارف القرآن**، مکتبہ عثمانیہ، لاہور، ج ،ص ۸۸-۸۹

۸- مفتی محمد شفیع، **معارف القرآن**، ادارہ المعارف، کراچی، ۱۹۸۰ء، ج ۱،ص ۱۸۰

۹- عبد الماجد دریا بادی، **تفسیر ماجدی**، تاج کمپنی، لاہور، ۲۰۰۱ء، ص ۱۵-۱۶

ہم نے سورۃ بقرہ کی مذکورہ آیت کی تفسیر میں بعض قدیم اور معاصر مفسرین کی آراء کو قدرے تفصیل سے بیان کیا ہے۔ ان تشریحات کا اگر دقت نظر سے مطالعہ کیا جائے تو ہم اس نتیجہ پر پہنچتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے آغاز انسانیت ہی سے انسان کو تمام ضروری علوم سے آراستہ کر دیا تھا، تا کہ وہ احساس عبدیت کے ساتھ حقوق اللہ کی ادائیگی کا فرض بھی ادا کر سکے اور منصب خلافت اور اس کی ذمہ داریوں کے ادراک کے ساتھ انسانوں کے باہمی معاملات کی نگرانی اور حقوق العباد کے تحفظ کا فریضہ بھی انجام دے سکے۔ حضرت آدم علیہ السلام کا علم تو لدنی تھا جبکہ اولاد آدم کا علم کسبی ہے۔ مزید اکتساب اور اضافہ علم کے لیے اللہ تعالیٰ نے انسان کو بہترین حواس اور عقل و فکر سے نوازا ہے۔ ان حواس کے ذریعہ بہت سی نامعلوم چیزوں کو دریافت کیا جاسکتا ہے:

﴿ وَعَلَّمَ الْإِنْسَانَ مَا لَمْ يَعْلَمْ﴾ [العلق: ۵] اللہ تعالیٰ انسان کو وہ علم بھی عطا کرتا ہے جو وہ نہیں جانتا۔ نئی نئی باتوں اور نئی نئی چیزوں کی دریافت کے لیے اپنے حاصل شدہ علم، اپنے حواس اور اپنی قوت عقلیہ اور فکریہ کو مربوط اور منظّم طریقہ سے استعمال کیا جاسکتا ہے۔ قرآن حکیم نے بہت کثرت سے اس قسم کے الفاظ استعمال کئے ہیں: أرأيتم (کیا دیکھا آپ نے) افلاينظرون (کیا لوگ دیکھتے نہیں) انظروا (دیکھئے:غور کیجئے) ﴿اَوَلَمْ يَسِيْرُوْا فِي الْاَرْضِ فَيَنْظُرُوْا كَيْفَ كَانَ عَاقِبَةُ الَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِهِمْ﴾ [فاطر:۴۴] لوگ اللہ تعالیٰ کی زمین میں چل پھر کر کیوں نہیں دیکھتے کہ پہلے لوگوں کا انجام کیا ہوا۔ ﴿قُلِ انْظُرُوْا مَاذَا فِي السَّمٰوٰتِ وَ الْاَرْضِ﴾ [یونس:۱۰۱] اے رسول ان سے کہہ دیجئے کہ دیکھو (غور وفکر کرو) جو کچھ آسمانوں میں ہے اور جو کچھ زمین میں ہے، اس قسم کی آیات ہمیں غور وفکر اور اپنے حواس، تجربہ اور مشاہدے کے ذریعہ زیادہ سے زیادہ حصول علم کی دعوت دے رہی ہیں، بحث وتحقیق اور نئی چیزوں کی دریافت کا طریقہ یہی ہے کہ انسان جدوجہد کرے، غور وفکر سے کام لے، اپنے تمام حواس اور صلاحیتوں کو استعمال کرے۔ سعی و جدوجہد کرنے والوں کے لیے اللہ تعالیٰ بہت سی نئی راہیں کھول دیتے ہیں۔ یہ بھی اللہ تعالیٰ کا فضل و انعام ہے کہ حواس اور فکری قوتوں کو جتنا زیادہ استعمال کیا جائے اتنا ہی صلاحیتوں میں اضافہ ہوتا ہے، معلوم سے نامعلوم کو دریافت کرنے کی صلاحیت مزید بڑھ جاتی ہے۔

قرآن حکیم نے دوقسم کی آیات پر غور وفکر کی دعوت دی ہے، ایک آیات بینات ہیں جن میں توحید، رسالت، معاد اور مابعد الموت کے احکام ہیں، یا دین کے ارکان و تزکیہ نفوس کے احکام بیان ہوئے ہیں

دوسری آیات کون یعنی وہ آیات ہیں جو اس کائنات میں غور وفکر کی دعوت دیتی ہیں۔[۱۰]

اللہ تعالیٰ نے اس کائنات کی ہر چیز کو ہمارے لیے مسخر کر دیا ہے تاکہ ہم ان شمس وقمر و نجوم، جبال و افلاک، سمندر و دریا، ہواؤں اور زیر زمین بے پناہ چھپے ہوئے خزانوں وغیرہ سے بھرپور فائدہ اٹھاسکیں۔ قرآن حکیم کی آیات کون میں غور وفکر کا نتیجہ یہ تھا کہ مسلمانوں میں بڑے بڑے مہندس، ریاضی دان، ماہر فلکیات، اطباء اور کیمیا دان پیدا ہوئے، انہوں نے ان علوم کی تدریس کے لیے ادارے قائم کیے ابن الہیثم، جابر بن حیان، محمد بن موسیٰ خوارزمی جیسے سائنس دانوں نے ان علوم کے ارتقاء کی طرف توجہ دی جو حضرت آدم علیہ السلام کو بذریعہ وحی بتائے گئے تھے۔

علم طب کا ارتقاء

انسانی معاشرے کے لیےعلم طب کی اہمیت وضرورت سے انکارنہیں کیا جا سکتا۔ ہمارے خیال میں علم طب کا ارتقاء بھی علم الاشیاء کی تعلیم کے نتیجہ میں ہوا، اس لیے کہ حضرت آدم علیہ السلام کو اللہ تعالیٰ نے تمام اشیاء کے خواص و آثار بتا دیے تھے۔ چنانچہ انہیں مختلف غذاؤں، پھلوں اجناس، جڑی بوٹیوں، درختوں اور مختلف پودوں کی تاثیر کا علم تھا۔ حضرت آدم علیہ السلام نے اپنے طویل عہد میں معاشرے میں پیدا ہونے والے جسمانی عوارض اور بیماریوں کا علاج اپنے اس علم ہی کی بنیا دپر کیا ہو گا۔ اور شاید علم طب کا آغاز علاج بالغذا سے شروع ہوا ہو، لیکن بعد میں تجربہ اور علم کی روشنی میں اس فن کو مسلسل ترقی ملتی رہی ہو گی، اس طرح وہ علم جو حضرت آدم علیہ السلام کو بذریعہ وحی عطا ہوا تھا، نئے نئے تجربات اور عمل کے ذریعہ اولاد آدم کو منتقل ہوتا ہے، مسلسل عمل اور تجربہ اس فن کو مزید ترقی کی راہ پر گامزن کرتا رہا اور علاج کے لیے غذاؤں کے ساتھ بہت سی جڑی بوٹیوں اور پودوں وغیرہ کا بھی اضافہ ہوتا چلا گیا۔ اس طرح علم طب ایک مستقل فن کی صورت میں ترقی کرتا رہا۔

قرآن کریم میں ہمیں علاج بالماء کا تصور بھی ملتا ہے۔ قرآن حکیم نے پانی کو حیاتِ انسانی کا بنیادی عنصر قرار دیا ہے۔ ﴿وَ جَعَلْنَا مِنَ الْمَآءِ كُلَّ شَيْءٍ حَيٍّ﴾[الانبیاء: ۳۰] اور ہم نے پانی کے ذریعہ ہر چیز کو زندگی عطا کی۔ نہ صرف حیات انسانی کا دار ومدار پانی پر ہے بلکہ زمین کی شادابی اور حیات ارضی کا دار و مدار

۱۰- بطور مثال دیکھئے: الروم: ۵۰؛ الأنعام:۹۹؛ یونس :۱۰۱؛ ابراھیم:۳۲-۳۳؛الرعد:۲ ؛ الحج: ۶۵؛ لقمان: ۲۰؛ فاطر:۱۳ ؛ الجاثیہ؛۱۲-۱۳ ؛ الغاشیہ: ۱۷-۲۰

بھی پانی پر ہے[۱۱] اور زمین کی زرخیزی اور شادابی پر انسانی معیشت کا دار و مدار ہے۔

سورۃ الانفال میں اللہ تعالیٰ نے بارش کے پانی کے چار فوائد کا ذکر کیا ہے:

﴿وَ يُنَزِّلُ عَلَيْكُمْ مِّنَ السَّمَآءِ مَآءً لِّيُطَهِّرَكُمْ بِهٖ وَ يُذْهِبَ عَنْكُمْ رِجْزَ الشَّيْطٰنِ وَ لِيَرْبِطَ عَلٰى قُلُوْبِكُمْ وَ يُثَبِّتَ بِهِ الْاَقْدَامَ﴾[الانفال: ۱۱]

اور اللہ تعالیٰ نے تم پر بارش نازل فرمائی تا کہ اس کے ذریعہ تمہیں پاکیزگی حاصل ہو اورتم سے شیطان کی پیدا کردہ آلودگیاں دور کرے، اورتمہارے دلوں کوتقویت عطا فرمائے اور اس کی وجہ سے تمہیں (میدان عمل و جہاد میں) ثابت قدم رکھے۔

اس آیت سے پتہ چلتا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے بعض پانیوں میں یہ خواص رکھے ہیں کہ ان سے جسمانی تطہیر کا کام لیا جاسکتا ہے۔ **لیطھر کم** کے مفہوم میں صرف ظاہری گندگی ہی داخل نہیں۔ یہ پانی باطنی آلودگی اوربعض امراض میں بھی مفید ہوسکتا ہے، اسی طرح **رجز الشیطان** سے مراد شیطانی وسوسے، اندیشے، خوف اور توہمات بھی شامل ہیں۔ تیسری خاصیت یہ بتائی کہ وہ دل کی تقویت کا باعث ہوتا ہے، جب انسان کا دل مضبوط ومطمئن ہوتو وہ میدان عمل اور جہاد میں بھر پور ثابت قدمی کا مظاہرہ کرتا ہے۔

حضرت ایوب علیہ السلام کا تذکرہ قرآن حکیم میں موجود ہے، اللہ تعالیٰ نے انہیں آزمائش میں ڈالا، وہ بعض جلدی امراض میں مبتلا ہو گئے، مرض کی وجہ سے جب تکلیف کی شدت بڑھی تو انہوں نے دعا کی:

﴿اِذْ نَادٰى رَبَّهٗۤ اَنِّیْ مَسَّنِیَ الشَّیْطٰنُ بِنُصْبٍ وَّعَذَابٍ﴾[ص:۴۱]

اے اللہ مجھے شیطان نے بہت تکلیف اور پریشانی میں مبتلا کر دیا ہے (تو مجھ پر رحم فرما)۔

اللہ تعالیٰ نے ان کی دعا قبول فرمائی اور انہیں حکم دیا:

﴿اُرْكُضْ بِرِجْلِكَ هٰذَا مُغْتَسَلٌۢ بَارِدٌ وَّشَرَابٌ﴾[ص: ۴۲]

اپنا پاؤں زمین پر مارو، چنانچہ انہوں نے زمین پر پاؤں مارا تو وہاں سے ایک چشمہ جاری ہوگیا پس ہم نے ان سے کہا کہ یہ تمہارے لیے نہانے کا ٹھنڈا پانی ہے اور پینے کا۔

۱۱- سورۃ بقرۃ کی آیت مبارکہ ۱۶۴ اور سورۃ النمل ۶۵ کا مطالعہ کیجئے۔

حضرت ایوب علیہ السلام کو چشمہ کے اس پانی سے مکمل صحت حاصل ہو گئی۔ اس واقعہ سے پتہ چلتا ہے کہ اللہ تعالیٰ پانی کے ایسے چشمے بھی پیدا کرتا ہے جن میں جلدی اور دیگر امراض کا علاج موجود ہوتا ہے۔ یہ کام انسان کے دریافت کرنے کا ہے کہ تحقیق کرے کہ کس قسم کے چشموں، کنوؤں اور کن علاقوں کے پانی کس قسم کے امراض میں مفید ثابت ہو سکتے ہیں۔ پانی کے ذریعہ علاج کا دائرہ بہت وسیع ہو سکتا ہے۔ بعض اطباء گردہ، منہ وغیرہ بعض بیماریوں میں پانی کے استعمال کو بڑھانے پر زور دیتے ہیں، بعض بخار یا گلے کی تکلیف میں برف یا ٹھنڈی اشیاء کو بطور علاج تجویز کیا جاتا ہے، لیکن ہمارا خیال ہے کہ اگر علاج بالماء پر تحقیق کی جائے تو شاید اور بہت سے امراض کا علاج اس میں مل جائے۔ یہ پانی ہی کی برکت ہے کہ غسل یا وضو کرنے سے ذہنی سکون حاصل ہوتا۔ فشار خون کی صورت میں پانی پینا یا وضو کا عمل مفید ثابت ہوتا ہے۔

پانی کے ذریعہ علاج کا تصور حضرت ایوب علیہ السلام کے دور میں سامنے آیا، اسی طرح علم طب میں ایک نئے طرز علاج کا ذریعہ ثابت ہوا۔ علم طب ترقی کرتا ہوا حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے زمانہ میں اپنے عروج کو پہنچ گیا۔ بقول مولانا حفظ الرحمان سیو ہاروی، حضرت عیسیٰ السلام کے زمانہ میں علم طب اور علم طبعیات کا بہت چرچا تھا۔ یونان کے اطبا و حکما (فلاسفہ) کی طب و حکمت گرد و پیش کے ممالک و امصار کے ارباب کمال پر بہت زیادہ اثر انداز تھی۔ صدیوں سے بڑے بڑے طبیب اور فلسفی اپنی حکمت و دانش اور کمالات طب کا مظاہرہ کر رہے تھے۔[۱۲]

اللہ تعالیٰ نے اسی لیے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو بعض ایسے معجزات عطا فرمائے جن کا تعلق ایسے امراض سے تھا جن کا علاج اس دور میں موجود نہیں تھا، مثلاً پیدائشی نابینا کو بینائی عطا کر دینا، یا جذام کے مریض کو تندرست کر دینا۔ حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے بطور معجزہ ایسا کیا کہ بغیر کسی دوا کے اور بغیر کسی معالجہ، بغیر کسی سبب کے مادر زاد اندھوں اور جذام کے مریضوں کو اچھا کر دیا لیکن معجزہ نے یہ تصور اطبا کو ضرور دیا کہ اس قسم کے لاعلاج امراض کا علاج تلاش کیا جا سکتا ہے اس معجزہ نے فن طب کے ماہرین کو اس بات کی دعوت دی کہ وہ اپنی تحقیق و تجربات کے دائرہ کو وسیع کریں اور اس قسم کے امراض کا علاج تلاش کریں۔

اعلیٰ عمارتوں، دفاعی بند اور ڈیمز کی تعمیر

فن طب کی طرح دیگر معاشرتی فنون مثلاً تعمیر، زراعت وغیرہ نے بھی ترقی کی راہ اختیار کی، یہاں بھی

۱۲- حفظ الرحمان سیوہاروی، **قصص القرآن**، پروگریسو بکس، لاہور، ن، ج ۴، ص ٦٧

انبیاء علیہم السلام کا کردار نمایاں نظر آتا ہے۔ قوم ثمود کا تذکرہ قرآن حکیم میں ہے۔ اس قوم کو فن تعمیر میں بڑی مہارت حاصل تھی۔ یہ لوگ پہاڑوں میں چٹانوں کو خوبصورتی سے تراش کر اپنے لیے انتہائی مضبوط اور محفوظ رہائش گاہیں بناتے تھے۔ قرآن کریم نے اس فن کا تذکرہ کر کے اسے اپنی نعمت قرار دیا ہے:

﴿وَ اذْكُرُوْٓا اِذْ جَعَلَكُمْ خُلَفَآءَ مِنْۢ بَعْدِ عَادٍ وَّ بَوَّاَكُمْ فِی الْاَرْضِ تَتَّخِذُوْنَ مِنْ سُهُوْلِهَا قُصُوْرًا وَّ تَنْحِتُوْنَ الْجِبَالَ بُیُوْتًا فَاذْكُرُوْٓا اٰلَآءَ اللّٰهِ وَ لَا تَعْثَوْا فِی الْاَرْضِ مُفْسِدِیْنَ﴾[الاعراف: ۷۴]

اور یاد کرو جب اللہ تعالیٰ نے تمہیں قوم عاد کا جانشین بنایا اور تمہیں زمین میں ٹھکانا دیا تم میدانی علاقوں میں محلات بناتے ہو اور پہاڑی علاقوں میں چٹانوں کو تراش کر رہائش گاہیں بناتے ہو، تم اللہ تعالیٰ کی نعمتوں کو یاد کرو، اور زمین میں فساد مت پھیلاؤ۔

ملکہ بلقیس کے زمانہ میں اہل سبا بھی خوبصورت عمارتوں کی تعمیر کے لیے مشہور تھے۔ بے نظیر عمارتوں کا سلسلہ ملکہ سبا کے زمانہ کے تمدن اور ترقی کا آئینہ دار ہے۔ وہاں تعمیر شدہ قلعوں، بلند و بالا عمارتوں، زراعت کی ترقی اور آب پاشی کی ضرورت کے لیے ڈیموں وغیرہ کی تعمیر کا تذکرہ قدیم کتب تاریخ میں ملتا ہے، قصر غمدان صناعی کا بے مثل نمونہ تھا۔ یہ ایک بیس منزلہ شاندار عمارت تھی۔ [۱۳]

حضرت سلیمان علیہ السلام کا یمن و سبا کی اس ترقی یافتہ تہذیب و تمدن سے واسطہ پڑا تو اللہ تعالیٰ نے حضرت سلیمان علیہ السلام کو اہل سبا کی بہ نسبت زیادہ بہترین فن تعمیر کا علم عطا فرمایا۔ حضرت سلیمان کا تعمیر کردہ محل حسن و لطافت کے لحاظ سے زیادہ حسین وجمیل تھا۔ خود ملکۂ سبا نے جب اسے دیکھا تو بہت حیران ہوئی۔ حضرت سلیمان علیہ السلام نے اسے اپنی تعمیرات کا مشاہدہ کرایا، معجزات دکھائے اور اللہ تعالیٰ کے دین کی دعوت پیش کی۔ ملکہ سبا نے ان کی دعوت پر مثبت انداز میں غور وفکر کیا اور بالآخر اس نے دعوت اسلام کو قبول کر لیا۔ [۱۴]

ذوالقرنین ایک عادل، دیندار مومن حکمران تھے، ان کی فتوحات کا دائرہ بہت وسیع ہے، اللہ تعالیٰ نے انہیں بہت فراوانی عطا فرمائی تھی جسے وہ لوگوں کی فلاح و بہبود پر خرچ کیا کرتے تھے۔ اچھی حکمرانی کے لیے

۱۳- **قصص القرآن**، ج ۳، ص ۳۰۱-۳۰۳

۱۴- سورۃ النمل ۲۷: ۴۴

وسیع علم، ذہانت و فراست انتظامی صلاحیت اور اعلیٰ اخلاقی اقدار کا ہونا ضروری ہے۔ اللہ تعالیٰ نے ان تمام خوبیوں سے حضرت ذوالقرنین کو نوازا تھا۔ ان کی نبوت کے بارے میں اختلاف ہے۔ ابن کثیرؒ کا خیال یہ ہے کہ وہ اللہ تعالیٰ کے نبی تھے۔بعض تاریخی روایات سے بھی ان کے نبی ہونے کی تصدیق ہوتی ہے۔

فنِ تعمیر میں ذوالقرنین کو بڑی شہرت حاصل ہوئی۔ انہوں نے دو پہاڑوں کے درمیان درہ کو لوہے کی سلوں سے پاٹ کر بند کیا۔ درہ کے اُس پار سے آنے والے لوگ جو یاجوج و ماجوج کے نام سے مشہور تھے اور اس درہ کے راستہ سے اس علاقہ میں داخل ہو کر لوٹ مار مچاتے تھے، اس علاقے کے لوگوں کی درخواست پر حضرت ذوالقرنین نے یہ عظیم الشان آہنی دیوار تعمیر کی، اس دیوار کی تعمیر اس طرح کی گئی کہ دونوں پہاڑوں کے درمیان راستہ کو لوہے کی سلوں سے پاٹ دیا گیا۔ پھر ان تختیوں کو باہم جوڑنے کے لیے آگ سے گرم کر کے پگھلایا گیا اور پھر اوپر سے پگھلایا ہوا تانبہ ڈال کر اسے مضبوطی کے ساتھ بند کر دیا گیا۔ سورۃ کہف میں اس کی تفصیل بیان کی گئی۔[۱۵]

سفینہ سازی کا علم

حضرت نوح علیہ السلام کے زمانہ میں اللہ تعالیٰ نے پہلی مرتبہ انسانوں کو بحری جہاز سازی کا فن حضرت نوح علیہ السلام کے ذریعہ عطا فرمایا۔ اللہ تعالیٰ نے قوم نوح کی نافرمانیوں اور بداعمالیوں کی وجہ سے بذریعہ عذاب تباہ کرنے کا ارادہ فرمایا تو حضرت نوح علیہ السلام کو حکم دیا:

> ﴿وَ اصۡنَعِ الۡفُلۡکَ بِاَعۡیُنِنَا وَ وَحۡیِنَا وَ لَا تُخَاطِبۡنِیۡ فِی الَّذِیۡنَ ظَلَمُوۡا اِنَّہُمۡ مُّغۡرَقُوۡنَ﴾[ہود:۳۷]
>
> اور ہماری نگرانی میں ہماری ہدایات کے مطابق سفینہ تیار کیجئے، اور دیکھو ان ظالموں کے بارے میں مجھ سے کوئی بات نہ کرنا، یہ تو غرق ہو کر رہیں گے۔

اس آیت مبارکہ کے اسلوب سے پتہ چلتا ہے کہ کشتی سازی کا فن اس سے پہلے متعارف نہ تھا اس

۱۵- دیکھئے الکہف۱۸:۹۳-۹۷؛ مزید تفصیلات کے لیے دیکھئے: **قصص القرآن**، ج ۳، ص ۱۸۰-۱۹۱؛ مولانا حفظ الرحمانؒ نے آج بھی پائی جانے والی چار آہنی سدود کا ذکر کیا ہے۔ دیکھئے، **قصص القرآن**، ج ۳، ص ۲۰۷-۲۰۸ ذوالقرین لقب ہے، ان کا نام اختانون تھا۔ ان کے بارے میں جدید تحقیق کیلئے دیکھئے حمدی بن حمزہ کی کتاب **فک اسرار ذی القرنین** مطبعہ الریاض، ۲۰۰۹ء

لیے اس فن کی تکنیک براہ راست اللہ تعالیٰ کی جانب سے حضرت نوح علیہ السلام کو اور ان کے ذریعہ سے حضرت نوح پر ایمان لانے والوں کو منتقل ہوئی، یہی لوگ حضرت نوح علیہ السلام کی رہنمائی میں سفینہ سازی کے کام میں مشغول رہے۔ یہاں تک انہوں نے مکمل جہاز اللہ تعالیٰ کے عطا کردہ علم اور تکنیک کے مطابق تیار کیا۔

یہ عظیم الشان بحری جہاز حضرت نوح علیہ السلام کے دور کی نئی ایجاد تھی۔ اس کی تمام فنی تعلیم (Technology) اللہ تعالیٰ کی جانب سے منتقل کی گئی۔

اس کشتی کے سائز کے بارے میں وثوق کے ساتھ کچھ کہنا بہت مشکل ہے، لیکن بعض تاریخی اور قرآنی معلومات کی روشنی میں اس کے سائز کا کچھ نہ کچھ اندازہ کیا جاسکتا ہے۔ پہلی بات تو یہ ہے کہ اس میں ان تمام افراد کو سوار کیا گیا جو حضرت نوح علیہ السلام پر ایمان لے آئے تھے۔ حضرت نوح علیہ السلام پر ایمان لانے والوں کی صحیح تعداد کا تو علم نہیں، البتہ بعض روایات سے پتہ چلتا ہے کہ ان کی تعداد بہتر تھی[(۱۶)] ان بہتر افراد کے ساتھ بعض کی وہ ازواج جو ایمان لے آئی ہوں گی وہ بھی اپنے شوہروں کے ساتھ سفینہ پر سوار ہوئی ہوں گی، ہوسکتا ہے بعض لوگوں کے چھوٹے معصوم بچے بھی ہوں یا وہ بچے ہوں جنہوں نے ایمان قبول کر لیا ہو۔ بہرحال تعداد جو بھی ہو ان تمام لوگوں کے لیے جو کشتی میں سوار تھے راشن اور خوراک کا سامان بھی رکھا گیا ہو گا، اس لیے کہ یہ طوفان ایک بڑا طوفان تھا جو غالباً ہفتوں یا مہینوں پر محیط تھا لہٰذا جہاز میں سوار انسانوں کے لیے خوارک کا ہونا ضروری تھا، پھر اللہ تعالیٰ کی جانب سے یہ حکم بھی دیا گیا کہ اس سفینہ میں جانوروں کا بھی کم ازکم ایک ایک جوڑا رکھا جائے:

﴿قُلْنَا احْمِلْ فِيهَا مِنْ كُلٍّ زَوْجَيْنِ اثْنَيْنِ﴾[ھود:۴۰]

ہم نے حکم دیا کہ اس میں ہر قسم کے جانوروں میں سے نر و مادہ کو سوار کر لو۔

جانوروں میں سے ہر قسم کے چھوٹے بڑے جانوروں کے جوڑے رکھے گئے ہوں گے، ان میں یقیناً اونٹ، گائے، گھوڑے، خچر گدھے بکرے وغیرہ سبھی کے جوڑے رکھے گئے ہوں گے، پھر اس میں ایک حصہ پرندوں وغیرہ کا بھی ہو گا۔ اس سے اندازہ کیا جاسکتا ہے کہ وہ سفینہ کس قدر بڑا ہو گا۔ پھر صرف جانوروں

۱۶- ابن کثیر، **تفسیر القرآن العظیم**، دارالنھضۃ، بیروت، ۱۴۱۷ھ/۱۹۹۶ء، ج ۲، ص ۴۲۷

کے جوڑوں کو ہی سوار نہیں کیا ہو گا بلکہ ان کے لیے بھی مناسب خوراک اسی سفینہ میں محفوظ کی گئی ہو گی۔ ان تمام باتوں کو ذہن میں رکھیے تو اندازہ ہو گا کہ جہاز کا سائز کس قدر بڑا ہوگا۔ ابن کثیر نے بعض تاریخی روایات کے حوالہ سے لکھا ہے کہ یہ جہاز تین منزلہ تھا اور اس کی چھت وغیرہ اس طرح بنائی گئیں تھیں کہ مسلسل ایک عرصہ تک ہونے والی بارش کا پانی سفینہ میں داخل نہیں ہوا۔[۱۷]

طوفان نوح کے واقعہ پر غور کیجئے تو معلوم ہو گا کہ اللہ تعالیٰ حضرت نوح علیہ السلام کو جہاز سازی کی ایسی سائنٹفک اور محفوظ ٹیکنالوجی عنایت فرمائی تھی کہ وہ جہاز طوفانی جھکڑوں اور مسلسل دھواں دار بارش اور پھر سیلاب کے تھپیڑوں کو جنہیں قرآن حکیم نے **وموج کالجبال**۔ یعنی پہاڑوں کی بلندی کو چھونے والی لہریں قرار دیا ہے، نہ صرف برداشت کیا بلکہ جب طوفان ختم ہوا تو وہ سفینہ بالکل سالم و محفوظ تھا اور اس میں سوار تمام انسان اور جانور بھی محفوظ رہے۔

حضرت نوح علیہ السلام کے دور میں سفینہ کی عظیم الشان صنعتی ایجاد نے انسانی معاشرہ میں انقلاب برپا کر دیا انسانی معاشرہ ترقی کے ایک نئے دور میں داخل ہو گیا۔ اس ایجاد کے بعد دریائی اور بحری سفر کا آغاز ہوا، مختلف قوموں اور علاقوں کے درمیان تجارت کو فروغ حاصل ہوا۔ ترقی کا یہ عمل اس فنی تعلیم کی وجہ سے ہوا جو اللہ تعالیٰ نے اپنے رسول کے ذریعہ عطا فرمائی۔

حضرت ذوالقرنین کے طویل اسفار کا تذکرہ قرآن حکیم میں آیا ہے، تاریخ کی کتب میں ان کے تین طویل سفروں کا تذکرہ ملتا ہے۔ حضرت ذوالقرنین کے ان تمام اسفار کا ذریعہ بحری جہاز ہی تھا۔[۱۸]

علم فلسفہ وحکمت

حضرت نوح علیہ السلام کے بعد بھی فنی، سائنسی اور انسانی علوم کی تعلیم و تدریس کا سلسلہ جاری رہا، حضرت نوحؑ کے بعد دیگر انبیاء علیہم السلام بھی ان علوم کی ترویج میں اپنا کردار ادا کرتے رہے۔ حضرت ادریس علیہ السلام اور حضرت لقمان علیہ السلام حکمت اور فلسفہ میں شہرت رکھتے ہیں۔ حضرت ادریس علیہ السلام کے ایک استاد اغوثا ذیمون اپنے دور کے معروف فلسفی تھے، حضرت ادریس علیہ السلام نے فلسفہ کا علم

۱۷- ابن کثیر، تفسیر، ج ۲، ص ۴۲۶

۱۸- ذوالقرنین کے سفروں کی تفصیلات کے لیے حمدی بن حمزہ کی کتاب **فک اسرار ذی القرنین** مطبوعہ ریاض، ۲۰۰۹ء کا مطالعہ مفید ہو گا۔

ان ہی سے حاصل کیا تھا۔ شہرستانی کا خیال ہے کہ اغوثا ذیمون حضرت شیث علیہ السلام کا نام ہے اور وہی حضرت ادریسؑ کے استاد تھے۔ شہرستانی کے اس بیان سے پتہ چلتا ہے کہ حضرت شیث علیہ السلام بھی اپنے زمانہ کے حکیم وفلسفی تھے۔

حضرت ادریس علیہ السلام کی ایک خصوصیت یہ تھی کہ وہ ماہرالسنہ تھے، انہیں اپنے دور کی بہت سی زبانوں پر عبور حاصل تھا۔ وہ لوگوں کو دین وحکمت کی باتیں ان کی اپنی زبانوں میں سمجھایا کرتے تھے۔ فلسفہ اور حکمت سے دلچسپی نے حضرت ادریسؑ کو علم سیاست و شہریت کی طرف بھی متوجہ کیا چنانچہ وہ دین الٰہی کے ساتھ ساتھ مدن سیاست و شہریت کے اصولوں کی تعلیم بھی دیا کرتے تھے۔ انبیاء علیہم السلام کی تعلیمات میں علم السیاسہ علم الاخلاق کا ایک شعبہ رہا ہے۔ حضرت ادریسؑ کے پاس طلبہ کی باقاعدہ جماعت ہوتی تھی جنہیں وہ شہری اور اجتماعی زندگی گزارے کے مہذب طریقے بتانے اور سیاست مدنیہ اور شہریت کے اصول و قواعد کی تعلیم دیا کرتے تھے۔[۱۹]

علم الافلاک اور علم نجوم

اللہ تعالیٰ نے حضرت ادریس علیہ السلام کو علم الافلاک اور علم نجوم بھی عطا فرمایا تھا۔[۲۰] یہ علوم انسانی تمدن کی ترقی کے لیے مفید ہیں، اسی لیے ہمیں تعلیم دی گئی ہے کہ ہم ایک طرف تو اللہ تعالیٰ سے دعا کریں کہ وہ ہمیں علم نافع عطا فرمائے دوسری طرف حصول علم کے لیے اسباب و ذرائع بھی استعمال کریں۔

حضرت مولانا ادریس کاندھلویؒ معارف القرآن میں لکھتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے حضرت ادریس علیہ السلام کو بے شمار علوم وفنون سے نوازا تھا اور بہت سے علوم اور صنعتوں کا آغاز حضرت ادریس علیہ السلام سے ہوا، وہی ان علوم کے موجد تھے حضرت ادریس علیہ السلام اللہ تعالیٰ کے جلیل القدر انبیاء میں شمار ہوتے ہیں، انہیں اللہ تعالیٰ نے ان صنعتوں اور علوم سے یقیناً بذریعہ وحی مطلع کیا ہوگا۔[۲۱]

۱۹- قصص القرآن، ج ۱، ص ۹۵

۲۰- ایضاً، ص ۹۶، یہاں علم نجوم سے مراد لوگوں کو ان کی قسمتوں کا حال بتانا نہیں ہے، بلکہ شمس وقمر کی گردش سے شمسی وقمری کیلنڈر کا حساب و کتاب رکھنا۔ سیاروں کی حرکت سے مسافروں راہوں کا تعین کرنے میں سہولت ہوتی ہے ﴿وعلمت بالنجم هم يتهدون[النحل:۱٦]﴾ اور اللہ تعالیٰ نے افلاک میں نشانیاں بنائیں، اور لوگ سیاروں سے رہنمائی حاصل کرتے ہیں۔

۲۱- محمد ادریس کاندہلوی، معارف القرآن، مکتبہ عثمانیہ لاہور، ۱۹۸۳ء، ج ۴، ص ۵۰٦

علم تعبیر الرؤیا اور تاویل وتشریح

علم تعبیر الرؤیا ایک لطیف علم ہے، اس علم میں اللہ تعالیٰ نے حضرت یوسف علیہ السلام کو کمال عطا فرمایا تھا۔ خوابوں کی تعبیر کا علم اللہ تعالیٰ انبیاء علیہم السلام کو بذریعہ وحی عطا فرماتے ہیں۔ پھر اس علم کے مبادیات کی تعلیم انبیاء علیہم السلام کے ذریعہ انسانوں کو ہوتی ہے خاص طور پر جو اپنے مزاج اور دلچسپی کی وجہ اس علم کی طرف توجہ دیتے ہیں۔ حضرت یوسف علیہ السلام کے بارے میں خاص طور پر ارشاد ہے کہ اللہ تعالیٰ نے انہیں علم تاویل الرؤیا اور تاویل الاحلام عطا فرمایا۔ حضرت یوسف علیہ السلام کے والد گرامی حضرت یعقوب علیہ السلام کو بھی یہ علم عطا فرمایا تھا۔ جب حضرت یوسف علیہ السلام نے اپنا خواب اپنے والد گرامی کے سامنے بیان کیا تو وہ فوراً اس کی تعبیر سمجھ گئے، اسی لیے انہوں نے حضرت یوسف کو منع کر دیا تھا کہ اپنے خواب کا تذکرہ اپنے بھائیوں کے سامنے نہ کریں۔ [۲۲]

تاویل الأحلام کا علم اللہ تعالیٰ نے رسول اللہ ﷺ کو بھی عطا فرمایا تھا۔ آپ ﷺ نے رویا صالحہ کو نبوت کا چھیالیسواں حصہ فرمایا ہے۔ نبوت کے بعد اسے مبشرات قرار دیا ہے۔ آپ ﷺ کی عادتِ مبارکہ تھی نماز فجر سے فارغ ہو کر اپنے اصحاب سے دریافت فرماتے کہ کسی نے کوئی خواب تو نہیں دیکھا؟ اگر کوئی شخص اپنا خواب بیان کرتا تو آپ ﷺ اس کی تعبیر بیان فرماتے۔ تعبیر الرؤیا میں حضرت ابوبکرؓ کو بھی مہارت حاصل تھی۔ [۲۳]

تعبیر الرؤیا ایک لطیف فن ہے، اس میں مختلف قوانین اور قرائن سے کام لینا پڑتا ہے۔ تعبیر بتانے والے کے لیے ضروری ہے کہ وہ خواب دیکھنے والے کے ماحول، حالات اور نفسیات سے بھی واقف ہو۔ خواب کبھی واضح الدلالت ہوتے ہیں۔ انہیں رویا صادقہ کہا جاتا ہے۔ ان کی تعبیر خود واضح ہوتی ہے۔ کچھ خواب ایسے ہوتے ہیں جو تعبیر و تاویل کے محتاج ہوتے ہیں، ان کی صحیح تعبیر وہی شخص بتا سکتا ہے جو علم تعبیر الرویا سے آگاہ ہو۔ بعض خواب بس خواب پریشان ہوتے ہیں انہیں اضغاث احلام کہتے ہیں۔ ابن سیرین نے علم تعبیر الرؤیا پر تفصیلی سے بحث کی ہے۔ [۲۴]

۲۲- سورۃ یوسف ۱۲: ۴-۵

۲۳- ابن خلدون، **مقدمہ**، باب ششم، فصل ۱۲ (علم تعبیر الرؤیا)

۲۴- ابن سیرین، **تعبیر الرؤیا**، دیکھئے، مقدمہ تعبیر الرؤیا، فصل دوم

سورۃ یوسف میں دو جگہ حضرت یوسف علیہ السلام کے لیے تاویل الاحادیث کی تعلیم کا تذکرہ بھی ملتا ہے۔ پہلی آیت مبارکہ میں ارشاد ہے:

﴿وَ كَذٰلِكَ يَجْتَبِيْكَ رَبُّكَ وَ يُعَلِّمُكَ مِنْ تَاْوِيْلِ الْاَحَادِيْثِ﴾[یوسف:٦]

اور اسی طرح آپ کا رب آپ کو برگزیدہ بنائے گا اور کلام پر گفتگو کی تعبیر کا علم عطا فرمائے گا۔

ایک اور آیت میں حضرت یوسف علیہ السلام اپنے اوپر اللہ تعالیٰ کی نعمتوں کا اعتراف کرتے ہوئے فرماتے ہیں:

﴿رَبِّ قَدْ اٰتَيْتَنِيْ مِنَ الْمُلْكِ وَ عَلَّمْتَنِيْ مِنْ تَاْوِيْلِ الْاَحَادِيْثِ﴾[یوسف:١٠١]

اے میرے رب! تو نے مجھے حکومت عطا فرمائی اور تأویل الاحادیث کا علم بھی عطا فرمایا۔

تأویل الاحادیث کی تفسیر میں بہت سے مفسرین نے مختلف اقوال بیان کیے ہیں، ان میں علم تعبیر الرؤیا تو داخل ہی ہے لیکن اگر الفاظ کے عموم اور وسعت کو ملحوظ رکھا جائے تو اس سے تمام بیانات، کلام، الفاظ وتحریر وغیرہ شامل ہیں کسی کلام کے مالہ وما علیہ کو پوری طرح سمجھنا، اس کے سیاق و سباق کو ملحوظ رکھتے ہوئے معنی کا تعین کرنا، کلام کے اشارات، دلالات کو سمجھنا اور جو کچھ بین السطور مستور ہوتا ہے اس کے موقع ومحل کو سمجھنا اور بات کی تہ تک پہنچ کر نتائج اخذ کرنا یا مزید تجزیہ کرنا ایک اہم فن ہے۔ یہ بھی ایک لطیف فن ہے جس کی صلاحیت اللہ تعالیٰ نے حضرت یوسف علیہ السلام کو عنایت فرمائی۔

ہمارے فقہاء نے نصوص، دستور اور قانون کی تشریح وتعبیر کے لیے بہت سے اصول وضع کیے ہیں اور اس موضوع پر بہت عمدہ اور مستقل کتب لکھی ہیں۔ دلالات کی بحث اصول فقہ میں ایک مستقل فن کی حیثیت رکھتی ہے۔ فقہاء متقدمین نے اصول فقہ میں ایک مستقل باب دلالات کی بحث کے لیے مخصوص کیا ہے۔ متأخرین نے تو خاص طور پر اس فن کی طرف توجہ دی ہے اور بحث وتحقیق کے لیے اسے اپنی کتابوں کا مستقل موضوع بنایا ہے۔ (۲۵)

۲۵- اس موضوع پر ڈاکٹر عبداللہ یوسف عزام شہید کا پی ایچ ڈی کا مقالہ بہت علمی مقام کا حامل ہے، جو کتابی شکل میں شائع ہو چکا ہے، دیکھئے: دلالة الكتاب و السنه على الاحكام، جامعه الازهر،كلية الشريعه و القانون، القاہرہ، ۱۴۱۴ھ/۱۹۹۳ء، اردو میں دیکھئے، محمد یوسف فاروقی، فقہ اسلامی میں تعبیر وتشریح کے اصول، شریعہ اکیڈمی، اسلام آباد

خزائن الارض کا علم

اللہ تعالیٰ نے حضرت یوسف علیہ السلام کو خزائن الارض اور ان کے انتظام و انصرام کا علم بھی عطا فرمایا تھا، اسی بنا پر انہوں نے مصر کی معیشت اور خزانوں کی انتظامی ذمہ داری قبول فرمائی تھی:

﴿قَالَ اجْعَلْنِیْ عَلٰی خَزَآئِنِ الْاَرْضِ اِنِّیْ حَفِیْظٌ عَلِیْمٌ ﴾[یوسف:۵۵]

خزائن الارض (اس میں زرعی پیداوار بھی شامل ہیں) کا انتظام میرے سپرد کر دیجئے، اس لیے کہ میں ان کی حفاظت بھی کرسکتا ہوں اور ان کے بارے میں علم بھی رکھتا ہوں۔

حضرت یوسف علیہ السلام اللہ تعالیٰ کے برگزیدہ رسول تھے، ان کے پاس انسانوں کی رشد و ہدایت کا علم تو ہر لحاظ سے مکمل تھا، مگر اللہ تعالیٰ نے انہیں بہترین حکمرانوں کی صلاحیتوں (Good Goverance) سے بھی نوازا تھا۔ انبیاء علیہم السلام کا نظام حکمرانی کو خلافت سے تعبیر کیا جاسکتا ہے، خلافت ارضی کی صورت میں رسول ان علوم سے آراستہ ہوتا ہے جو بہتر اور عادلانہ نظام کے لیے ضروری ہیں، اسی لیے انہوں نے پورے یقین و اعتماد کے ساتھ کہا تھا کہ **اجعلنی علٰی خزائن الارض**، اس کے عموم میں زرعی پیداوار بھی شامل ہے اور وہ تمام خزائن بھی جو معدنیات کی شکل میں یا کسی طرح بھی زیر زمین محفوظ ہیں۔ امام بغویؒ نے آیت مبارکہ کی تفسیر کرتے ہوئے دونوں قسم کے اموال کو شامل کیا ہے اس میں خزائن الطعام بھی شامل ہیں اور خزائن الاموال بھی۔[۲۶]

حفیظ اور علیم کی صفات بتاتی ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے نہ صرف خزائن کی دیکھ بھال کی صلاحیت عطا فرمائی تھی بلکہ بے پناہ انتظامی صلاحیت اور ہنگامی قسم کے حالات سے نمٹنے کی قدرت بھی عطا فرمائی تھی۔ نظم ونسق اور انتظامی اور امور کا علم (Management Sciences) قیام عدل اور صحیح حکمرانی کے لیے ضروری ہے حضرت یوسف علیہ السلام نے طویل قحط سال سے نمٹنے کے لیے ایسی کامیاب عملی منصوبہ بندی فرمائی کہ اہل مصر کو زمانہ قحط میں غذائی قلت کا سامنا نہیں کرنا پڑا۔

حضرت یوسف علیہ السلام کی انتظامی صلاحیت اور نظم و تدبیر مملکت کی اہلیت وعلم پر قرآن حکیم کی یہ آیت بھی دلالت کرتی ہے:

۲۶- البغوی، ابومحمد الحسین بن مسعود الزاء، **معالم التنزیل**، دارالمعرفہ، بیروت، ۱۴۰۲ھ/۱۹۸۸ء، ج ۲، ص ۴۳۲

﴿وَ لَمَّا بَلَغَ اَشُدَّهٗۤ اٰتَيۡنٰهُ حُكۡمًا وَّ عِلۡمًا﴾[یوسف: ۲۲]

جب یوسف علیہ السلام جوانی کی عمر کو پہنچے تو ہم نے انہیں فیصلہ کرنے کی صلاحیت اورعلم عطا کیا۔

حکم اورعلم دونوں کے مفہوم میں بہت وسعت ہے۔حکم کے مفہوم میں حکمرانی، عدل و قضا اور حکمت سب شامل ہیں اورعلم کے مفہوم میں وہ تمام علوم شامل ہیں جوعلم الوحی یا علم الحواس کے ذریعہ حاصل ہوں۔ حضرت یوسف علیہ السلام کی شخصیت میں یہ تمام اوصاف موجود تھے۔ انہی کی بنیاد پر انہوں نے بہترین حکمرانی، عمدہ نظم و ضبط اور عدل و انصاف پر مبنی معاشرہ قائم فرمایا۔

لوہے اور دیگر دھاتوں کی صنعت کا ارتقاء

حضرت داؤد علیہ السلام کو اللہ تعالیٰ نے جہاں علوم نبوت و ہدایت سے نواز تھا وہاں لوہے اور تانبہ کی صنعت و حرفت کا علم بھی عطا فرمایا۔ حضرت داؤد علیہ السلام نے اس صنعت کو دفاع اور تجارتی مقاصد کے لیے استعمال کیا۔ اللہ تعالیٰ نے انہیں اچھی حکمرانی (Good Governance) حکمت و تدبیر اورعلم سے خوب نوازا تھا:

﴿وَ اٰتٰىهُ اللّٰهُ الۡمُلۡكَ وَ الۡحِكۡمَةَ وَ عَلَّمَهٗ مِمَّا يَشَآءُ﴾[بقرہ: ۲۵۱]

اللہ تعالیٰ نے انہیں حکمرانی عطا فرمائی، حکمت و دانائی سے نوازا اور جو چاہا وہ علم عطا کیا۔

انہی علوم میں ایک علم دفاعی صنعت سے متعلق تھا، جس کا تذکرہ سورۃ انبیاء میں صراحت کے ساتھ ملتا ہے:

﴿وَ عَلَّمۡنٰهُ صَنۡعَةَ لَبُوۡسٍ لَّكُمۡ لِتُحۡصِنَكُمۡ مِّنۡۢ بَاۡسِكُمۡ ۚ فَهَلۡ اَنۡتُمۡ شٰكِرُوۡنَ﴾[الانبیا: ۸۰]

اور ہم نے انہیں دفاعی لباس کی صنعت کا علم تمہارے فائدے کے لیے عطا کیا تاکہ جنگ کی صورت میں وہ تمہیں تحفظ دے سکے۔ کیا پھر بھی تم (اللہ تعالیٰ کے) شکر گزار ہو؟

لبوس کے مفہوم میں وہ تمام لباس داخل ہیں جو دفاعی مقصد کے لیے استعمال کیے جاتے ہوں، اس میں

زرہیں، خود اور حفاظتی جیکٹ وغیرہ شامل ہیں۔

حضرت داؤد علیہ السلام سے پہلے لوہے کی صنعت بالکل ابتدائی مراحل میں تھی، حضرت داؤد علیہ السلام نے اس صنعت کو بہت عروج پر پہنچایا۔ اللہ تعالیٰ نے حضرت داؤد علیہ السلام کو یہ معجزہ عطا فرمایا تھا کہ وہ جب لوہے کو اس غرض سے ہاتھ میں لیتے تھے کہ اس سے کچھ مصنوعات تیار کی جائیں تو لوہا ان کے ہاتھوں میں نرم ہو جاتا تھا۔ چنانچہ وہ مختلف قالبوں میں ڈھال کر اس سے استعمال کی ضروری اشیاء مثلاً برتن، دیگیں، زرہیں وغیرہ بنایا کرتے تھے:

﴿وَ اَلَنَّا لَهُ الْحَدِيْدَ o اَنِ اعْمَلْ سٰبِغٰتٍ وَّ قَدِّرْ فِى السَّرْدِ وَاعْمَلُوْا صَالِحًا﴾[السبا: ۱۰]

اور ہم نے ان کے لیے لوہے کو نرم کر دیا (اور انہیں حکم دیا) کہ اس سے مکمل زرہیں بنائیں اور کڑیاں جوڑنے میں تناسب کا اندازہ ٹھیک رکھیے۔

یہ آیت مبارکہ واضح طور پر بتا رہی ہے کہ حضرت داؤد علیہ السلام لوہے کی مصنوعات بنانے پر مکمل قدرت رکھتے تھے۔ اسی لیے انہیں یہ حکم دیا گیا کہ اَنِ اعْمَلْ سٰبِغٰتٍ کہ مکمل زرہیں بناؤ۔ ایسی زرہیں جو جسم کے زیادہ سے زیادہ حصہ کو محفوظ بنا دیں۔ ابن کثیرؒ حضرت قتادہؓ کے حوالے سے لکھتے ہیں کہ زرہ سازی کی صنعت میں جدید ترین ٹیکنالوجی حضرت داؤد علیہ السلام نے متعارف کرائی۔ حضرت داؤد السلام کی تیار کردہ زرہیں ایسی ہوتی تھیں کہ ان کا نہ صرف پہننا آسان تھا بلکہ اسے پہن کر میدان جنگ میں حرکت اور دوڑ دھوپ بھی بآسانی کی جاسکتی تھی۔ بعض روایات سے پتہ چلتا ہے کہ حضرت داؤد علیہ السلام روزانہ ایک مکمل زرہ تیار کر کے فروخت کر دیا کرتے تھے جس کی قیمت چھ ہزار درہم ہوا کرتی تھی اس میں سے دو ہزار درہم وہ اپنے اور اپنے اہل وعیال کے لیے رکھ لیا کرتے۔ باقی چار ہزار درہم بنو اسرائیل کی معاشی ضروریات پر خرچ کیا کرتے تھے۔ (گویا دو تہائی منافع بیت المال میں جمع کراتے تھے)۔[۲۷]

حضرت داؤد علیہ السلام کی مصنوعات صرف آہنی اشیاء تک محدود نہیں تھیں بلکہ دوسری سخت دھاتیں بھی ان کے لیے مسخر کر دی گئی تھیں، حضرت داؤد علیہ السلام ان سے بھی مصنوعات تیار کیا کرتے تھے:

﴿وَ اَسَلْنَا لَهٗ عَيْنَ الْقِطْرِ﴾[سبا: ۱۲]

۲۷- **تفسیر القرآن العظیم**، ج ۳، ص ۵۰۵-۵۰۶، یہ مثال بھی حضرت داؤد علیہ السلام نے قائم کی کہ وہ اپنی کل آمدنی کا دو تہائی ٹیکس بیت المال میں جمع کرا دیتے تھے، اگرچہ یہ والنٹری بنیاد پر تھا۔

اور ہم نے ان کے لیے تانبہ کا چشمہ جاری کر دیا۔

اس آیت میں سب سے اہم بات تو یہ ہے کہ اس میں زیر زمیں سیال خزانوں کی موجودگی کی طرف اشارہ ہے اب یہ انسان پر موقف ہے کہ وہ زیر زمین خزانوں کی دریافت کے لیے کس حد تک تلاش و جستجو کرتا ہے، جو جدوجہد کرتا ہے وہ ضرور پاتا ہے۔

اللہ تعالیٰ نے حضرت داؤد علیہ السلام کو بہت سی نعمتوں سے نوازا، لوہے یا دیگر سخت دھاتوں کا نرم پڑجانا توخیر اللہ تعالیٰ کی جانب سے عطا کردہ معجزہ تھا۔ اللہ تعالیٰ نے لوہے کی مصنوعات مارکیٹ میں بہ سہولت لانے کے لیے لوہے کے خام ذخائر بھی فلسطین کے جنوب میں مہیا کر دیے تھے[۲۸] اور تانبہ کے چشمے اور زیر زمین دیگر سیالی مادے یمن میں صنعا کے قریب پائے جاتے تھے۔[۲۹] اللہ تعالیٰ نے جنوں کو اپنے رسول کے تابع فرمان کر دیا تھا، لہٰذا وہ جنوں سے خام مال منگوانے اور مصنوعات سازی میں مدد لیا کرتے تھے۔ قرآن حکیم نے اس کا تذکرہ اس طرح کیا ہے:

﴿ يَعْمَلُوْنَ لَهٗ مَا يَشَآءُ مِنْ مَّحَارِيْبَ وَ تَمَاثِيْلَ وَ جِفَانٍ كَالْجَوَابِ وَ قُدُوْرٍ رّٰسِيٰتٍ﴾[سبا:۱۳]

یہ لوگ بناتے ان کے لیے جو کچھ وہ چاہتے تھے، مثلاً خوبصورت عمارتیں، مجسمے، بڑے بڑے حوض جیسے لگن اور ایک ہی جگہ جمی ہوئی بڑی بڑی دیگیں۔

اس آیت مبارکہ کا جائزہ لیں تو معلوم ہو گا کہ حضرت داؤد علیہ السلام کے زمانہ میں ارتقائی مراحل طے کرنے کے لیے تین چیزوں کی طرف توجہ تھی۔ سب سے پہلے توجہ معاشرہ کی دفاعی صلاحیتوں کو بہتر بنانے کی طرف رہی، دوسرے خوبصورت و پرشکوہ عمارتوں کی طرف، اس میں وہ عمارتیں بھی شامل ہیں جو عبادات کے لیے تعمیر کی جاتی تھیں، تیسرے اجتماعی کھانوں کے لیے بڑی بڑی دیگیں اور ضروری برتن۔

سورۃ سبا کی مندرجہ بالا آیت سے استدلال کرتے ہوئے مفتی محمد شفیعؒ لکھتے ہیں کہ

اشیاء ضرورت و صنعت ایسی اہم چیز ہے کہ حق تعالیٰ نے خود اس کی تعلیم دینے کا اہتمام فرمایا اور اپنے عظیم الشان پیغمبروں کو (صنعتوں) سکھایا

۲۸- سید ابو الاعلیٰ مودودی، **تفہیم القرآن**، ادارہ ترجمان القرآن، لاہور، ۱۹۹۵ء، ج ۳، ص ۱۷۵

۲۹- محمد ادریس کاندہلوی، **معارف القرآن**، ج ۵، ص ۵۶۴

ہے۔ (۳۰)

جس طرح حضرت نوح علیہ السلام اور ان کی زیرِنگرانی ٹیم کے تیار کردہ سفینہ کی ایجاد نے بحری سفر اور بحری تجارت کی دنیا میں ایک انقلاب برپا کیا تھا۔ اسی طرح حضرت داؤد علیہ السلام کے زمانہ میں لوہے اور دیگر سخت دھاتوں کی مصنوعات نے بھی انسانی معاشرہ میں صنعتی ارتقاء کے نئے دور کا آغاز کیا۔

مختلف زبانوں کا علم اور ان پر عبور حاصل کرنے کی طرف رغبت

دنیا کی مختلف زبانوں پر جن لوگوں کو عبور حاصل ہوتا ہے، ان کے لیے وسعت علم کے بہت سے ابواب کھل جاتے ہیں بین الاقوامی تعلقات اور مختلف تہذیبوں کے مطالعہ کے لیے زبانوں کی افادیت وضرورت سے کوئی ذی شعور انسان انکار نہیں کرسکتا۔ قرآن کریم نے اختلاف السنہ کو اللہ تعالیٰ کی نشانیاں قرار دیا ہے۔

﴿وَ مِنْ اٰيٰتِهٖ خَلْقُ السَّمٰوٰتِ وَ الْاَرْضِ وَ اخْتِلَافُ اَلْسِنَتِكُمْ وَ اَلْوَانِكُمْ اِنَّ فِيْ ذٰلِكَ لَاٰيٰتٍ لِّلْعٰلِمِيْنَ﴾[الروم: ۲۲]

اور اللہ تعالیٰ کی اہم نشانیوں میں زمین و آسمان کی تخلیق، تمہارا مختلف زبانیں بولنا یا تمہارے رنگوں کا مختلف ہونا بھی شامل ہے۔ یقیناً اس میں جاننے والوں کے لیے بڑی نشانیاں ہیں۔

علامہ قرطبی نے **وعلم آدم الاسماء** کی تفسیر میں **ابن خویز منداد** کے حوالے سے لکھا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے حضرت آدم علیہ السلام کو علم لغت بھی عطا فرمایا تھا، یہ رائے بہت معقول ہے، اس لیے کہ لغات کا اطلاق علم الاسماء پر ہی ہوتا ہے، نیز تمام زبانیں علم الاسماء میں داخل ہیں۔ (۳۱)

دنیا میں اولاد آدم کی وسعت اور پھیلاؤ کے ساتھ زبانوں میں بھی اضافہ ہوتا چلا گیا۔ اللہ تعالیٰ نے انبیاء علیہم السلام کو لوگوں کی ہدایت کے لیے بھیجنے کا سلسلہ جاری رکھا۔ مختلف خطوں اور مختلف اقوام میں اللہ تعالیٰ نے اپنے رسول مبعوث فرمائے۔ انبیاء علیہم السلام کی بعثت میں اللہ تعالیٰ نے اس بات کا اہتمام فرمایا

۳۰- مفتی محمد شفیع القرآن، **دائرۃ المعارف**، کراچی، ص ۱۹۸۰ء، ص ۲۶۲

۳۱- ابوعبداللہ محمد بن احمد القرطبی، **الجامع لاحکام القرآن**، ترجمہ اکرام الحق یٰسین، شریعہ اکیڈمی، اسلام آباد، ۲۰۱۱ء، ج ۲، ص ۵۳-۵۵

کہ انبیاء علیہم السلام لوگوں کو ان کی اپنی زبانوں میں دعوت و ارشاد اور تعلیم وتعلم کا سلسلہ جاری رکھیں ﴿وَمَآ اَرْسَلْنَا مِنْ رَّسُوْلٍ اِلَّا بِلِسَانِ قَوْمِهٖ﴾۔[۳۲]

اللہ تعالیٰ کی جانب سے نازل شدہ کتابیں بھی مختلف زبانوں میں نازل ہوتی رہی ہیں۔ کچھ صحائف سریانی زبانی میں نازل ہوئے تو کچھ عبرانی زبان ہیں۔ بعض قدیم زبانوں میں تحریریں مخطوطوں کی شکل میں آج بھی لائبریریوں کی زینت بنی ہوئی ہیں۔ زبانوں کی اہمیت کے پیش نظر رسول اللہ ﷺ نے اپنے صحابہ کرامؓ کو مختلف زبانیں سیکھنے کا حکم دیا، خاص طور پر ان اقوام کی زبانیں سیکھنے کا حکم دیا جن کی سرحدیں اسلامی مملکت کی سرحدوں سے ملتی تھیں یا جن کے ساتھ سیاسی وتجارتی روابط قائم تھے۔ حضرت زید بن ثابتؓ نے رسول اللہ ﷺ کی ہدایت پر عبرانی و سریانی زبانیں سیکھیں۔ حضرت عبداللہ بن عمرو بن العاصؓ کو سریانی زبان پر عبور حاصل تھا، انہیں تورات میں مذکور احکام اور بشارتوں کا خوب علم تھا۔ وہ سریانی زبان میں لکھی ہوئی قدیم کتب کا بھی مطالعہ کیا کرتے تھے۔

حضرت وہب بن منبہؒ کے بارے میں کہا جاتا ہے کہ وہ تورات کے سب سے بڑے عالم تھے۔ حضرت عبداللہ ابن الزبیرؓ صاحب ثروت صحابی تھے، ان کے بارے میں مشہور ہے کہ وہ درجنوں زبانیں جانتے تھے ان کے پاس مختلف علاقوں اور خطوں سے تعلق رکھنے والے غلام بکثرت ہوتے تھے۔ حضرت عبداللہ بن الزبیر ہر ایک کے ساتھ اس کی اپنی زبان میں گفتگو فرماتے۔[۳۳]

حضرت عمر بن الخطابؓ نے مدینہ منورہ آنے کے بعد سریانی زبان سیکھ لی تھی، وہ بڑی روانی سے تورات پڑھ لیا کرتے تھے اور لوگوں کے سامنے اس کا مفہوم بھی اپنی زبان میں بیان کر دیتے تھے۔[۳۴]

زبانیں ابلاغ کا اہم اور مؤثر ذریعہ ہیں، اسی لیے رسول اللہ ﷺ نے مختلف زبانوں کی آگاہی پر زور دیا ہے۔ زبانیں نہ صرف دعوت دین وتبلیغ کے سلسلہ میں اہمیت رکھتی ہیں بلکہ مختلف تہذیبوں کے ساتھ تعلقات قائم کرنے میں نمایاں کردار ادا کرتی ہیں۔ زبانوں کی اس اہمیت کے پیش نظر رسول اللہ ﷺ نے مختلف حکمرانوں، مملکتوں اور قبائلی سرداروں کے پاس ایسے سفراء کے ذریعہ پیغام بھیجنے کا اہتمام کیا جو ان کی زبانوں، تہذیب اور تاریخ و روایات سے واقف ہوں۔[۳۵]

۳۲- سورۃ ابراہیم۱۴: ۴

۳۳- عبدالحیٔ الکتانی، التراتیب الاداریة، حسن جعناء بیروت، ت ن، ج ۲، ص ۲۸، ۴۲۷

۳۴- محمد عبد المعبود، **عہد نبوی میں نظام تعلیم**، مکتبہ رحمانیہ لاہور، ۲۰۰۱ء، ص ۷۱-۷۳

۳۵- محمد یوسف فاروقی، **عہد رسالت میں معاشرہ اور مملکت کی تشکیل**، اظہار القرآن، لاہور، ۲۰۱۲ء، ص ۲۱۸-۲۱۹

اللہ تعالیٰ نے اپنے رسولوں کو صرف انسانوں میں بولی جانے والی زبانیں سیکھنے تک محدود نہیں رکھا بلکہ بعض انبیاء کو جانوروں کی زبانوں کا علم بھی عطا فرمایا تا کہ انسان جانوروں کی صلاحیتوں سے بھی فائدہ اٹھا سکے۔ اللہ تعالیٰ نے حضرت داوٗد علیہ السلام اور حضرت سلیمان علیہ السلام دونوں کو یہ خصوصیت عطا فرمائی تھی کہ وہ جانوروں کی بولیاں سمجھ لیا کرتے تھے:

﴿ وَلَقَدْ اٰتَیْنَا دَاوٗدَ وَسُلَیْمٰنَ عِلْمًا وَقَالاَ الْحَمْدُ لِلّٰهِ الَّذِیْ فَضَّلَنَا عَلٰی كَثِیْرٍ مِّنْ عِبَادِهِ الْمُؤْمِنِیْنَ ٥ وَوَرِثَ سُلَیْمٰنُ دَاوٗدَ وَقَالَ یٰۤاَیُّهَا النَّاسُ عُلِّمْنَا مَنْطِقَ الطَّیْرِ وَاُوْتِیْنَا مِنْ كُلِّ شَیْءٍ اِنَّ هٰذَا لَهُوَ الْفَضْلُ الْمُبِیْنُ﴾[النمل:۱۵-۱۶]

ہم نے داوٗد اور سلیمان کو علم عطا کیا تو ان دونوں نے (اس نعمت کا شکر ادا کرتے ہوئے کہا کہ اللہ تعالیٰ کا شکر ہے اس نے ہمیں اپنے بہت سے اہل ایمان بندوں پر فضیلت عطا فرمائی اور سلیمان داوٗد کے وارث قرار پائے۔ انہوں نے کہا کہ اے لوگوں ہمیں پرندوں کی بولی سکھائی گئی ہے اور ہمیں ہر چیز عطا کی گئی ہے بلاشبہ یہ اللہ تعالیٰ ہی کا فضل ہے۔

جانوروں کی زبانیں جاننے کا حضرت سلیمان علیہ السلام کو یہ فائدہ ہوا کہ انہیں دشمن کے علاقہ کے حالات کے بارے میں بہت سی معلومات حاصل ہوگئیں۔[۳۶]

بعض جانوروں کو اللہ تعالیٰ نے بہت تیز بصارت، قوی حواس اور عمدہ صلاحتیں عطا فرمائی ہیں انسان ان کی زبان سمجھنے لگے تو وہ ان کی صلاحیتوں سے بہت فائدہ اٹھا سکتا ہے۔ سدھائے ہوئے جانوروں سے شکار کرنے کا طریقہ تو قدیم دور سے رائج چلا آ رہا ہے۔ ایک زمانہ میں پیغام رسانی کا کام بھی پرندوں سے لیا جاتا تھا۔ جدید دور میں سدھائے ہوئے کتوں کو منشیات کی روک تھام کے لیے استعمال کیا جاتا ہے۔ مخصوص نسل کے کتوں میں سونگھنے کی قوت یا حس اس قدر تیز ہوتی ہے کہ جہاں انسان اور اس کی بنائی ہوئی مشینیں ناکام ہو جاتی ہیں وہاں ان جانوروں کی صلاحیت کارگر ثابت ہوتی ہے۔ اس کائنات میں بے شمار ایسے جانورو موجود ہیں جنہیں اللہ تعالیٰ نے دیکھنے کی بہت تیز دوربینی قسم کی صلاحیت عطا فرمائی ہے۔ بعض جانوروں کو بہت مضبوط قوت حافظہ عطا فرمائی۔ اگر انسان چاہے تو ان جانوروں کی خداداد صلاحیتوں سے فائدہ اٹھا سکتا ہے۔ ضرورت اس بات کی ہے کہ ہم علم الحیوانات کی طرف خاص توجہ دیں، ان کے مزاج،

۳۶- دیکھئے: **حضرت سلیمان علیہ السلام اور ہدہد کے مابین مکالمہ**، سورۃ النمل:۲۰-۲۸

طبیعت، صلاحیتوں اور بولیوں کو سمجھنے کی کوشش کریں۔ تب ہی ہم ان کی غیر معمولی صلاحیتوں سے پوری طرح فائدہ اٹھا سکتے ہیں۔

مصالح خمسہ کے موضوع پر ہمارے فقہاء نے بہت تفصیل سے بحث کی ہے۔ ہم مقاصد شریعہ کے سیاق و سباق میں بھی ان علوم کا جائزہ لے سکتے ہیں، فقہاء نے تمام انسانی مصلحتوں کو پانچ مقاصد میں محصور کیا ہے، ان میں سے صرف ایک مصلحت تحفظ دین سے متعلق ہے، باقی چار مصلحتیں انسانی حقوق اور معاشرہ کی مصلحتوں کے تحفظ سے متعلق ہیں، ان میں انسان کی جان و مال، عزت و آبرو، عقل و فراست اور نسل کے تحفظ سے متعلق ہیں۔ ہم جن علوم کے بارے میں گفتگو کر رہے ہیں وہ سب انسانی مصلحتوں اور ضرورتوں کو پورا کرتے ہیں لہٰذا ان علوم کی تدریس اور ان میں مہارت انسانی مصلحتوں کو پورا کرنے کے مترادف ہے۔ رسول اللہ ﷺ نے دعائیہ اسلوب میں حصول علم پر آمادہ کیا ہے۔ **اللّٰھم انی أسئلک علما نافعا** اے اللہ میں تجھ سے ہر اس علم کا سوال کرتا ہوں جو مفید و نفع مند ہو۔

ہماری مندرجہ بالا بحث سے یہ بات ثابت ہوتی ہے کہ تمام علوم شریعت کی نظر میں مطلوب و مستحسن ہیں، اس لیے کہ تمام علوم کا حقیقی مرکز اللہ تعالیٰ کی ذات ہے، وہی تمام علوم کا مصدر بھی ہے۔ مندرجہ بالا بحث کی روشنی میں ہم بلاجھجک یہ بات کہہ سکتے ہیں کہ:

۱- ان تمام علوم کی اصل (Origin) وحی الٰہی ہے۔

۲- علم کی دو قسمیں ہیں: ایک علم قطعی ہے جو وحی پر مبنی ہوتا ہے۔ دوسرے علم ظنی ہے جو حواس، تجربہ اور عقل پر مبنی ہوتا ہے، دونوں قسم کے علوم انسانی معاشرہ کے ارتقاء کیلئے ضروری ہیں۔

۳- علم قطعی کا حصول فرض عین ہے، جبکہ علم ظنی کا حصول فرض کفایہ ہے، علم ظنی کے ذریعہ بھی کوئی بات ثابت ہو جائے تو اس پر عمل کرنا شرعاً بھی ضروری ہوتا ہے۔

۴- علم قطعی اور ظنی میں تضاد ظاہر ہو تو حتی الامکان تضاد دور کرنے کی کوشش کی جائے گی۔ اگر تضاد دور کرنا مشکل ہو تو ترجیح بہرصورت علم قطعی کو حاصل ہوگی۔

۵- ضرورت اس بات کی ہے کہ تمام سائنسی، فنی اور انسانی علوم کا اسلامی فکر اور وحی الٰہی کے تقاضوں کے مطابق جائزہ لیا جائے، اور تمام مروجہ علوم کی تطہیر اور پھر انہیں اسلامی فکر سے ہم آہنگ کرنے کا اہتمام کیا جائے۔

۶- امت مسلمہ کے نوجوانوں کو متوجہ کرنے کی ضرورت ہے کہ وہ تمام علوم میں حصول کمال کے لیے انتھک اور مخلصانہ جدوجہد کریں تاکہ وہ اپنے معاشرہ کے ارتقاء میں اپنا فرض ادا کرسکیں۔

❀❀❀❀❀